عام تباہی کے اسلحہ کا استعمال: اسلامی نقطۂ نظر

——————— ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

جنگیں زمانۂ قدیم میں بھی ہوتی رہی ہیں، لیکن ان میں روایتی ہتھیاروں کا استعمال کیا جاتا تھا، اس وجہ سے ہلاکتیں اور تباہی و بربادی محدود پیمانے پر ہوتی تھی۔ بیسویں صدی میں ایک نئی صورت حال سامنے آئی کہ ایسے ہتھیار استعمال کیے جانے لگے جو بڑے پیمانے پر تباہی مچانے والے تھے اور جن سے بہت بڑی تعداد میں انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔ پہلی جنگ عظیم (۱۸-۱۹۱۴ء) میں کیمیاوی اسلحہ کا استعمال کیا گیا، پھر جنگ عظیم دوم کے دوران میں نیوکلیائی اسلحہ کا تجربہ کیا گیا۔ امریکا نے اگست ۱۹۴۵ء میں جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے، جس کے نتیجے میں ہیروشیما میں نوّے ہزار سے ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار کے درمیان اور ناگاساکی میں ساٹھ ہزار سے اسّی ہزار کے درمیان انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔ ان میں سے نصف تعداد بم گرائے جانے کے پہلے ہی دن ہلاک ہوگئی تھی۔

ایسے ہتھیار، جن سے بڑے پیمانے پر تباہی مچتی ہے، ان کے لیے ایک نئی اصطلاح وضع کی گئی۔ وہ ہے: WEAPONS OF MASS DESTRUCTION (WMD) تاریخی طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اس اصطلاح کا استعمال سب سے پہلے ۱۹۳۷ء میں Canterbury کے ایک آرک بشپ نے کیا۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے یہ ایک مقبول اصطلاح بن گئی۔ اس سے مراد وہ اسلحہ ہیں جو انسانوں اور دیگر جان داروں کی بڑی تعداد کو ہلاک کردیں، یا شدید نقصان پہنچائیں اور انسانی تعمیرات اور قدرتی اسٹرکچرس کو تباہ و برباد کریں۔ ان میں تین طرح کے اسلحے شامل ہیں: جوہری (NUCLEAR) کیمیاوی (CHEMICAL) اور حیاتیاتی (BIOLOGICAL)۔ ان اسلحہ کی تباہ کاری کو دیکھتے ہوئے

عالمی سطح پر عام بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، بین الاقوامی تنظیموں کے ذریعے ان کی تیاری اور استعمال پر پابندی عائد کرنے کے معاہدے مرتب کیے گئے اور سب ہی ممالک پر زور دیا گیا کہ وہ ان پر دستخط کریں۔ ان معاہدوں میں سے چند یہ ہیں:

- Partial Test Ban treaty (PTBT)
- Outer Space Treaty (OST)
- Nuclear Non-Proliferation Treaty (NPT)
- Comprehensive Test Ban Treaty (CTBT)

میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی سطح پر بھی اس موضوع کا خوب چرچا ہوا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۲۰۰۲ء میں امریکا میں ہوئے ایک سروے کے مطابق WEAPONS OF MASS DESTRUCTION سب سے زیادہ استعمال ہونے والے الفاظ تھے۔

مسئلے کا سیاسی پہلو

اس مسئلے کا ایک پہلو سیاسی ہے۔ دنیا کے آٹھ ممالک نیوکلیائی اسلحہ رکھتے ہیں: امریکا، فرانس، برطانیہ، چین، شمالی کوریا، روس، ہندوستان اور پاکستان ۔عسکری تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اسرائیل کے پاس بھی نیوکلیائی اسلحے ہیں، لیکن وہ کھلے الفاظ میں نہ اس کا اقرار کرتا ہے نہ انکار۔ اب اس بات کی کوشش ہورہی ہے اور امریکہ اس میں پیش پیش ہے کہ مزید کوئی ملک نیوکلیائی صلاحیت نہ حاصل کرنے پائے۔ گزشتہ صدی میں نوّے کی دہائی میں عراق پر الزام عائد کیا گیا کہ وہ عام تباہی کے اسلحہ رکھتا ہے، پورا ملک کھنگال ڈالا گیا، مگر یہ اسلحہ نہیں ملے، اسی الزام کے تحت ۲۰۰۳ء میں عراق پر حملہ کرکے اسے تہس نہس کردیا گیا۔ اب یہی الزام ایران کے سلسلے میں بھی دوہرایا جارہا ہے۔ ایران صاف الفاظ میں اس سے انکار کرتا ہے، مگر کوتوال ہے کہ مان کر نہیں دے رہا ہے۔ القاعدہ کے بارے میں وقتاً فوقتاً یہ شوشہ چھوڑا جاتا ہے کہ وہ نیوکلیائی اسلحہ کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔ غرض یہ اصطلاح WEAPONS OF

MASS DESTRUCTION اس حیثیت سے بھی کافی مقبول ہوگئی ہے کہ جس پر چاہے اس کا الزام لگادیا جائے اور اس کے بہانے اس پر جو پابندیاں چاہیں عائد کردی جائیں۔ ۲۰۰۳ء میں امریکا میں Lake Superior State University نے اصطلاحات کی ایک فہرست شائع کی اور بتایا کہ ان میں سب سے زیادہ misuse اور overuse اسی اصطلاح کا ہوا ہے۔

لیکن اس وقت ہم اس مسئلے کے سیاسی پہلو پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتے، صرف علمی حیثیت سے اس پر بحث کرنا اور اسلامی نقطۂ نظر واضح کرنا چاہتے ہیں۔

اسلام کی چند اصولی تعلیمات

زیر بحث موضوع پر آنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی چند اصولی تعلیمات بیان کردی جائیں، جن کا اس موضوع سے گہرا تعلق ہے:

(۱) اسلام جنگ کے مقابلے میں امن کو اوّلیت دیتا ہے، لیکن جب جنگ ناگزیر ہوجائے تو اس سے پہلو تہی بھی نہیں کرتا۔ جنگ کے دوران میں وہ مقاتلین اور غیر مقاتلین کے درمیان فرق کرتا ہے۔ مقاتلین سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگ میں عملاً حصہ لیتے ہیں، یا حصہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں یعنی جوان مرد اور غیر مقاتلین سے وہ لوگ مراد ہیں جو عموماً جنگ میں حصہ نہیں لیتے، جیسے عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، زخمی، خانقاہ نشیں، معبدوں کے پجاری وغیرہ۔ جنگ کے دوران میں اسلام مقاتلین کو قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے، جب کہ غیر مقاتلین کو قتل کرنے سے روکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے میدان جنگ میں ایک عورت کی لاش دیکھی تو عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا[۱]۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس موقع پر آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ”یہ تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی“۔ پھر فوج کے سپہ سالار حضرت خالد بن الولیدؓ کو بلا کر سختی سے تاکید کی:

لاتَقْتُلَنَّ ذرّیّۃً وَلا عَسِیْفاً[۲] عورت، بچے اور مزدور کو ہرگز قتل نہ کرو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا:

لا تقتلوا شیخاً فانیاً و لا طفلاً صغیراً و لا امرأۃ۔٣	نہ کسی بوڑھے ضعیف کو قتل کرو، نہ چھوٹے بچے کو نہ عورت کو۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ جب کہیں فوج بھیجتے تھے تو یہ ہدایت کرتے تھے:

لا تقتلوا الوالدان و اصحاب الصوامع۔٤	بچوں اور خانقاہ نشینوں کو قتل نہ کرو۔

(۲) اسلام امن کا علم بردار ہے۔ وہ کسی کے خلاف جارحیت کو پسند نہیں کرتا، لیکن اگر کوئی جارحیت کا مظاہرہ کرے تو اسے برداشت کرنے کی بھی تعلیم نہیں دیتا۔ مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کے خلاف جنگ برپا کی تو مسلمانوں کو ان کا جواب دینے اور ان سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی:

وَقَاتِلُواْ فِی سَبِیلِ اللّهِ الَّذِینَ یُقَاتِلُونَکُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّهَ لاَ یُحِبِّ الْمُعْتَدِینَ ۔ (البقرۃ:۱۹۰)	لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
أُذِنَ لِلَّذِینَ یُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِیرٌ. الَّذِینَ أُخْرِجُوا مِن دِیَارِهِم بِغَیْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن یَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۔ (الحج:۳۹-۴۰)	اجازت دے دی گئی (جنگ کی) ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے، صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے ''ہمارا رب اللہ ہے''۔
فَمَنِ اعْتَدَى عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُواْ عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَیْکُمْ ۔ (البقرۃ:۱۹۴)	لہٰذا جو تم پر زیادتی کرے، تم بھی اس پر زیادتی کرو جتنی اس نے کی ہے۔

(۳) اسلام اپنی ریاست کو مضبوط اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے۔ اتنی مستحکم کہ اس کے دشمن اسے نرم چارہ نہ سمجھیں اور اس کی طرف غلط نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ اسی لیے وہ مسلمانوں کو

حکم دیتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ اللّهُ يَعْلَمُهُمْ۔ (الانفال: ۶۰)

اور تم لوگ جہاں تک تمھارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیّا رکھو، تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنھیں تم نہیں جانتے، مگر اللہ جانتا ہے۔

اس آیت میں دو الفاظ قابلِ غور ہیں: ایک 'قوۃ'، جو نکرہ ہے اور نکرہ میں عموم پایا جاتا ہے، اس میں ہر طرح کی عسکری قوت شامل ہے۔ بہ طور مثال آیت میں گھوڑوں کا تذکرہ ہے، جو زمانۂ نزول قرآن میں عسکری طاقت کا ایک مظہر تھے اور حدیث میں اس کی تعبیر 'تیز اندازی' سے کی گئی ہے (الا إن القوۃ الرمی ۵) دوسرا لفظ 'ترھبون' ہے۔ اس کے ذریعے عسکری طاقت کے حصول کا مقصد بیان کر دیا گیا، یعنی دشمن کو خوف زدہ کرنا۔ مفسّر ابو حیان نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

> ''اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کفار کو معلوم ہوگا کہ تم نے جنگ کے لیے کتنی تیاری کر رکھی ہے، کتنی قوت جمع کر رکھی ہے اور کتنے گھوڑے مہیا کر رکھے ہیں تو وہ اپنے پڑوسی کافروں کو تمھاری جنگی تیاریوں کے بارے میں بتا کر خوف زدہ کر دیں گے اور جب وہ تمھارے سلسلے میں اپنے پڑوسیوں کو خوف زدہ کر دیں تو وہ خود تم سے اور زیادہ خوف زدہ رہیں گے''۔ ۶

اس آیت سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ عسکری تیاری کرنا اور اس کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کرنا اور اسلحہ فراہم کرنا جنگ بھڑکانے کے لیے نہیں ہے، بلکہ دشمن کو دست درازی سے روکنے کی ایک تدبیر ہے۔ اس کی ضرورت ہر زمانے میں محسوس کی گئی ہے اور آج بھی یہ تسلیم شدہ ہے۔ یہ انسانی قدروں اور اخلاقی اصولوں کے منافی نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس ان کی پاس داری کی ایک موثر تدبیر ہے۔ یہ جنگ کا ماحول پیدا کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ

جنگ نہ ہونے اور امن قائم رہنے کی ایک تدبیر کے طور پر ہے۔ علامہ رشید رضا نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

''یہاں بہ قدر استطاعت قوت اور گھوڑوں کی فراہمی کو اس سے خاص کر دیا گیا ہے کہ اس کا مقصد ان لوگوں کو خوف زدہ کرنا ہو جو علانیہ دشمن ہیں اور جو چھپے ہوئے اور گم نام دشمن ہیں اور جو آئندہ اہل ایمان کے دشمن بن کر سامنے آئیں گے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ 'ارہاب' اس کے نزدیک جنگ کو روکنے کے لیے ہے، نہ کہ جنگ کی آگ بھڑکانے کے لیے۔ وہ کہتا ہے کہ تیار رہو، تاکہ دشمن تم سے خوف زدہ رہے، ممکن ہے اس طرح وہ تم پر حملہ کرنے سے باز رہے۔ یہ بعینہ وہی بات ہے جو آج کے ملکوں میں مسلح امن کے نام سے جانی جاتی ہے، جس کی بنیاد یہ ہے کہ ضعف درحقیقت طاقت ور کو کم زور پر دست درازی کی ترغیب دیتا ہے''۔[۷]

نئی صورت حال

عام تباہی کے اسلحہ کی ایجاد سے دنیا ایک نئی صورت حال سے دوچار ہوگئی ہے۔ ایک طرف ان کی خطرناکی اور ان کی وجہ سے بڑے پیمانے پر ہونے والی تباہی، انسانی جانوں کا ضیاع اور املاک کی بربادی ہے، جن کا دنیا تجربہ بھی کر چکی ہے، دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ ان اسلحہ کو موجودہ دور میں طاقت وقوت کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ جو ممالک ایٹمی طاقت بن چکے ہیں انھیں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ انھوں نے جو ایٹمی اسلحے تیار کر رکھے ہیں ان سے وہ دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں، لیکن چاہتے ہیں اور اس کے لیے کوشاں بھی ہیں کہ کوئی دوسرا ملک وہ صلاحیت حاصل نہ کرنے پائے۔

اسلام نقطۂ نظر

عام تباہی مچانے والے اسلحہ کی تیاری اور ان کے استعمال کا مسئلہ مسلم امت کے

درمیان زیادہ بحث و گفتگو کا موضوع نہیں بنا ہے۔ زیادہ تر علماء، مفکرین اور دانش وروں نے اس پر خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ جن لوگوں نے اس پر کچھ لکھا ہے ان کی تحریریں بہت مختصر ہیں اور ان سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔

اس مسئلے پر علماء اور دانش وروں کے دو الگ الگ موقف پائے جاتے ہیں۔ کچھ حضرات ہیں جو موجودہ حالات میں عام تباہی کے اسلحہ کی تیاری کو جائز اور مسلم ممالک کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں، تو کچھ دوسرے حضرات اس کے عدم جواز کی رائے دیتے ہیں۔ ذیل میں دونوں نقطہ ہائے نظر کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

جواز کے قائلین

موجودہ دور کے جن علماء کو اپنے علمی کام کی وجہ سے عالمی سطح پر اعتبار و استناد حاصل ہوا ہے، ان میں سے ایک ڈاکٹر وھبہ الزحیلی ہیں (ولادت ۱۹۳۲ء)۔ دمشق یونی ورسٹی میں فقہ کے استاد ہیں۔ اس موضوع پر انھوں نے اپنی دو تصانیف میں اظہار خیال کیا ہے۔ ایک **آثار الحرب فی الفقه الاسلامی: دراسة مقارنة** اور دوسری **العلاقات الدولية فی الاسلام مقارنة بالقانون الدولی الحديث** ہے۔ اپنی اول الذکر کتاب میں انھوں نے لکھا ہے:

> ”دو حالتیں ایسی ہیں جن میں ناگزیر طور پر غیر مقاتلین کو نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ ناگزیر حالات میں ممنوعات بھی جائز ہوجاتی ہیں (الضرورات تبیح المحظورات) یہ دو حالتیں درج ذیل ہیں:
>
> اول: حملۂ عام کی حالت (حالۃ الغارات)، اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کے خلاف منجنیق کا استعمال کیا تھا، حالاں کہ آپ جانتے تھے کہ ان میں عورتیں، بچے، بوڑھے اور دیگر معذورین بھی ہیں۔ یہ ناگزیر صورت حال ہے اور ایسے ناگزیر حالات میں وہ چیزیں جائز ہوجاتی ہیں جو عام حالات میں ممنوع ہوتی ہیں۔ یہ چیز جنگی قانون میں جائز ہے۔ زمینی جنگ کے قوانین اس رائے کی تائید کرتے ہیں جس پر عمل ہو رہا ہے۔

وہ یہ کہ کسی جگہ کا محاصرہ کرنے والی فوج کے لیے جائز ہے کہ وہ وہاں کی صرف تنصیبات پر حملہ نہ کرے، بلکہ رہائشی علاقوں کو بھی نشانہ بنائے، اس لیے کہ املاک کے نقصان، عمارتوں کے انہدام اور آبادی کی ہلاکت سے مدافعت کرنے والی فوج پر دباؤ پڑتا ہےاور وہ خود سپردگی پر آمادہ ہوجاتی ہے۔

دوم: غیر مقاتلین کو ڈھال بنالینے کی حالت (حالۃ التترس)۔ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر مشرکین کچھ مسلمانوں کو ڈھال بنالیں تو ان کی پروا کیے بغیر دشمنوں پرحملہ جاری رکھنا جائز ہے۔ اس میں 'مصالح مرسلہ' کا اصول کارفرما ہے۔ اسے ان لوگوں نے بھی جائز قرار دیا ہے، جو اس اصول کو اختیار کرنے میں بہت محتاط ہیں، مثلاً امام غزالیؒ۔ انھوں نے شرط عائد کی ہے کہ مصلحت ناگزیر، قطعی اور کلی ہو تبھی اس کا اعتبار کیا جائے گا، جیسے تترّس، یعنی غیر مقاتلین کو ڈھال بنالینے کی حالت۔ اس حالت میں ان کی پروا نہیں کی جائے گی، تاکہ دشمن کو کامیاب ہونے کا موقع نہ مل سکے''۔ ۸

مولانا سید جلال الدین عمری نے جنگ کے اسلامی آداب سے بحث کرتے ہوئے ابن قدامہ حنبلیؒ کے حوالہ سے فقہاء کا نقطۂ نظر یہ بیان کیا ہے کہ ''عورت، شیخ فانی، اپاہج، اندھے اور راہب پر میدان جنگ میں ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔ ہاں اگر وہ جنگ میں براہ راست حصہ لیں یا معاونت کریں تو مارے جاسکتے ہیں۔ اگر دشمن ان کم زور طبقات کو ڈھال بنا کر، حتیٰ کہ مسلمانوں کو آگے کر کے کوئی جنگی چال چلنا چاہے تو اس کا جواب ضرور دیا جائے گا۔ اسی طرح عورتیں اور بچے وغیرہ کسی عمومی حملے کی زد میں آجائیں تو یہ جنگی مجبوری ہوگی۔ ۹

عورت کے بارے میں ہدایہ کے حوالہ سے کہا ہے کہ ''عورت باقاعدہ جنگ میں شریک نہ ہو، لیکن وہ قیادت کررہی ہو یا حملہ آور ہو تو اس کا جواب دیا جائے گا''۔ ۱۰

ایک دوسرے عالم دین شیخ محمد الغزالیؒ (م۱۹۹۶ء) ہیں۔ ان کا تعلق مصر سے ہے۔ الاخوان المسلمون کے رہ نماؤں میں سے تھے، بعد میں بعض وجوہ سے اس سے تعلق باقی نہیں رہا تھا۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۹۹۵ء میں جب نیوکلیائی اسلحہ کے عدمِ استعمال کے معاہدے Nuclear Non-Proli feration Treaty (NPT) پر دستخط کرنے کے لیے مختلف ممالک پر دباؤ ڈالا جارہا تھا، شیخ محمد الغزالیؒ نے یہ بیان جاری کیا:

''مصری حکومت کسی ایسے معاہدے پر کیسے دستخط کرسکتی ہے، جس میں ایسے اسلحہ پر پابندی لگائی گئی ہو جو اس کے پاس موجود ہی نہ ہوں۔ ایسے اسلحے اسرایل کے پاس ہیں، اس لیے اسے اس معاہدہ پر دستخط کرنا چاہیے اور اگر وہ دستخط نہ کرے تو بین الاقوامی سطح پر اس کا بائیکاٹ کیا جانا چاہیے۔ مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ نیوکلیائی صلاحیت حاصل کرنے اور اسے ترقی دینے کی کوشش کریں، تاکہ وہ اسرائیل پر سبقت لے جائیں، کیوں کہ اسرائیلی اسلحے مسلم ممالک کے لیے کھلا خطرہ ہیں''۔[۱۱]

تیسرے دانش ور، جنھوں نے نیوکلیائی اسلحوں کی تیاری کے جواز کی بات کہی ہے، پروفیسر خورشید احمد ہیں۔ موصوف جماعت اسلامی پاکستان کے نائب امیر اور پاکستان کی قومی اسمبلی (سینیٹ) کے رکن ہیں۔ ایک علمی ادارہ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد کے چیرمین اور جماعت اسلامی پاکستان کے ترجمان ماہ نامہ ترجمان القرآن لاہور کے مدیر ہیں۔ موصوف نے اس موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس کا نام ہے: Capping the Nation: Pakistan's Security and the Nuclear Option۔ یہ اصلاً اس موضوع پر منعقدہ ایک سمینار میں پیش کیے گئے مقالات کا مجموعہ ہے۔

۱۹۹۸ء میں ہندوستان اور پاکستان کے ایٹمی تجربات کے کچھ عرصہ کے بعد پروفیسر خورشید احمد صاحب نے ترجمان القرآن میں ایک اداریہ لکھا تھا۔ اس کے کچھ منتخب حصے ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں:

''ہم جوہری صلاحیت کے ابتدائی مرحلے میں ہیں۔ الحمد للہ ہم نے بنیادی صلاحیت حاصل بھی کرلی ہے اور اس کا کامیاب مظاہرہ بھی کردیا ہے، جس پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ان تمام افراد اور اداروں کی خدمات کے

معترف ہیں جنھوں نے اس کارنامے کوانجام دینے میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ لیکن ہمیں اس ناقابل تردید تاریخی حقیقت کو سامنے رکھنا چاہیے کہ جہاں اسلحہ کی دوڑ ایک خسارے کا سودا ہے اور محض تفاخر کی خاطر اس خطرناک کھیل میں ہرگز شریک نہیں ہونا چاہیے وہیں مقابلے کی قوت اور کم سے کم ضروری سدّ جارحیت (Minimum Credible Deterrent) قومی سلامتی کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں۔ قوت اور سدِّ جارحیت کوئی جامد (Static) تصورنہیں، بلکہ حرکی (Dynamic) تصور ہے، جس کے لیے مدّ مقابل کی صلاحیت -حملہ کرنے کی اور حملہ سہنے کی- کو سامنے رکھ کرضروری حدود کا تعین کیا جاتا ہے''۔[۱۲]

آگے مزید لکھتے ہیں:

''مغربی اقوام نے جدید ٹکنالوجی پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ضروری ہے کہ ہمیں نئی اور جدید ٹکنالوجی دیں اور ٹکنالوجی منتقل کرنے کی تمام طفل تسلّیوں کے باوجود جوراہیں ہم پر بند کررکھی ہیں، بشمول ہمارے سائنس دانوں اور اعلیٰ درجے کے طالب علموں کے لیے مغربی درس گاہوں اور لیبارٹریوں کے درازوں کو بند کرنے کے، وہ کھولیں۔ اس کے بغیر نیوکلیر امتیاز (Apartheid) کا جو ظالمانہ اور استبدادی نظام قائم کیا گیا ہے وہ انسانیت کو مستقل طور پر دو طبقوں میں بانٹ رکھے گا -ایٹمی قوت سے آراستہ، بالا دست اور غالب اقوام اور ایٹمی صلاحیت سے محروم ان کے باج گزار ممالک- کیا پاکستان اور امت مسلمہ اس ذلت کے مقام کو قبول کرنے کو تیار ہے؟ اور کیا یہ ہمارے ایمان، خیر امت اور شہداء علی الناس کے مقام سے کوئی بھی مناسبت رکھتا ہے''۔[۱۳]

ان آراء کے حاملین نے اگرچہ اپنی تائید میں بعض نصوص پیش کی ہیں، لیکن ان پر مقامی حالات کا دباؤ صاف محسوس ہوتا ہے۔

عدمِ جواز کے قائلین

جو مسلم دانش ور عام تباہی مچانے والے اسلحہ کی تیاری اور استعمال کے عدم جواز کی رائے رکھتے ہیں، ان میں سے دو حضرات کا تذکرہ یہاں کیا جا رہا ہے۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر سہیل ہاشمی ہیں۔ ان کی کتاب Ethics and Weapons of Mass Destruction: Religious and Secular Perspective ۲۰۰۴ء میں نیویارک سے شائع ہوئی ہے۔ ۳۳۹ صفحات پر مشتمل یہ کتاب اصلاً مختلف اصحاب فکر کی تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اس میں WMD کے بارے میں مختلف مذاہب کا نقطۂ نظر بھی پیش کیا گیا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر کی ترجمانی خود مرتبِ کتاب نے اپنے مضمون Islamic Ethics and Weapons of Mass Destruction: An Argument For Non-proliferation میں کی ہے۔

انھوں نے WMD کے بارے میں مسلم امت میں تین طرح کے نقطہ ہائے نظر رکھنے والوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک طبقہ جواز کے قائلین کا ہے۔ اسے وہ WMD Jihadists کا نام دیتے ہیں۔ دوسرا طبقہ Muslim WMD Terrorists کا قرار دیتے ہیں اور القاعدہ اور اس کے سربراہ اسامہ بن لادن کو ان کا نمائندہ بتاتے ہیں۔ تیرا طبقہ عدم جواز کے قائلین کا ہے، جنھیں وہ Muslim WMD Pacifists کہتے ہیں۔ انھوں نے اپنی رائے موخر الذکر طبقہ کے حق میں دی ہے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

> ”مسلمانوں کو WMD کے حصول اور اس کے امکانی استعمال کو درج ذیل اسباب سے رد کر دینا چاہیے:
>
> ۱- نیوکلیائی، کیمیاوی اور حیاتیاتی اسلحے مقاتلین اور غیر مقاتلین کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔
>
> ۲- اگر ان کا استعمال صرف فوجی تنصیبات پر ہی کیا جائے تو بھی ہلاکتیں اتنے بھیانک طریقے سے ہوتی ہیں کہ وہ مقاتلین کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے ٹکراتی ہیں۔

۳- ان سے طبعی ماحولیات پر برا اثر پڑتا ہے اور دیگر مخلوقات بھی ہلاک ہوتی ہیں۔قرآنی اصطلاح میں یہ فساد فی الارض ہے۔

۴- ان کا استعمال ایسے کاموں میں نہیں ہوسکتا، جن کا اخلاقی جواز موجود ہو، اس لیے ان کی تیاری پر آنے والے مصارف 'اسراف' کے دائرے میں آتے ہیں، جن سے قرآن وحدیث میں روکا گیا ہے''۔[۱۴]

اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے انھوں نے آخر میں لکھا ہے:

''اگر مسلمان اسلامی اخلاقیات پر عمل کریں تو میرا خیال ہے کہ وہ WMD کے کسی استعمال کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔اگر WMD جنگ میں استعمال کے لیے نہ ہوں تو محض مزاحمت و مدافعت (یا قومی وقار) کے لیے، اخلاقی، اقتصادی اور عسکری کسی اعتبار سے ان کی تیاری کا جواز نہیں بنتا''۔[۱۵]

ایک دوسرے دانش ور ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی ہیں، جو اپنی تصنیفات اور علمی کاموں کی وجہ سے عالم اسلام کی معروف شخصیت ہیں۔کچھ عرصہ قبل 'مقاصد شریعت' کے عنوان سے آپ کی تصنیف منظر عام پر آئی ہے۔اس کی بعض آراء سے اہل علم نے اختلاف کیا ہے، اس سے قطع نظر اس کتاب میں آپ نے زیر بحث موضوع پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مقاصدِ شریعت کی روایتی فہرست میں کچھ اور موضوعات کا اضافہ کیا جائے، جو موجودہ دور میں بہت اہمیت اختیار کر گئے ہیں، ان میں سے ایک عام تباہی مچانے والے اسلحہ کا مسئلہ بھی ہے۔اپنی بحث کے آغاز میں انھوں نے لکھا ہے:

''اس بارہ میں دو رائے نہیں ہونی چاہیے کہ عام تباہی مچانے والے ہتھیار، جو محارب اور غیر محارب میں تمیز نہ کرسکتے ہیں، نہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کو مستثنیٰ رکھ سکتے ہوں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر جن سے تباہ کن اثرات موجودہ نسل کے بعد بھی کئی نسلوں تک اور جس علاقہ میں ان کو استعمال کیا جائے اس سے دور دور تک کے علاقوں تک پھیل جاتے ہیں،

ایسے ہتھیاروں کا استعمال فساد فی الارض میں داخل ہے۔ فساد فی الارض کو دوٗر کرنا مقاصدِ شریعت میں سے ہے۔ چنانچہ نیوکلیائی، کیمیاوی اور حیاتیاتی اسلحوں کے بنانے پر اور ان کی خرید وفروخت نیز ان کے استعمال پر پابندی ہونی چاہیے۔ شریعت کی اصطلاح میں ان اسلحہ کو بنانا، ان کی خرید وفروخت اور ان کا استعمال حرام قرار پایا جانا چاہیے اور یہ حرمت غیر مشروط ہونی چاہیے۔ کوئی ایسی صورت متصور نہیں، جس میں فساد فی الارض جائز ہو''۔ [۱۶]

ڈاکٹر صاحب عام تباہی مچانے والے اسلحہ کے خلاف اس وجہ سے بھی ہیں کہ ان کے بنانے، محفوظ رکھنے اور استعمال کرنے کے لیے خود کو ہر آن مستعد رکھنے پر کثیر مادی وسائل کے علاوہ ملک کی بہترین افرادی طاقت، اعلیٰ ترین علمی صلاحیتوں اور سب سے زیادہ وفادار، قابل بھروسہ اسٹاف کی خدمات درکار ہوتی ہیں، ان کی دیکھ ریکھ میں اتفاقی فروگزاشت اور اس کے نتیجے میں حادثوں کا بھی امکان موجود ہے اور ان سب پر مستزاد یہ کہ اگر اس کام کو اولیت دی جائے تو دیگر مشترکہ انسانی مسائل کے حل کے لیے نہ مادی وسائل بچیں گے نہ افرادی طاقت اور اعلیٰ صلاحیتیں خالی ملیں گی۔ لیکن ان کا اصل استدلال یہ ہے کہ یہ مسئلہ اسلامی قدروں اور اصولوں سے مغایر ہے۔ انھوں نے اپنے موقف کے حق میں قرآن کریم سے دو نصوص پیش کیے ہیں۔ ایک سورۂ مائدہ کی آیات: ۲۷-۳۲، جن میں آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، کہ ایک کی جارحیت کا دوسرے نے جواب نہیں دیا، بلکہ اعلان کردیا کہ اگر تو مجھے قتل کردے گا تو بھی میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ دوسری سورۂ حم السجدہ کی درج ذیل آیت ہے:

وَلا تَسْتَوِیْ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۔(آیت:۳۴)	اور (اے نبی) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھوگے کہ تمھارے ساتھ جس کی عداوت بڑھی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا۔

آگے انھوں نے اس موقف پر وارد ہونے والے ممکنہ اعتراضات کا جواب بھی دیا

ہے۔اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱- یہ بات درست نہیں کہ یہ آیات انفرادی جارحیت سے متعلق ہیں۔ سیاقِ کلام کا تقاضا ہے کہ ان سے مسلمانوں کو ان کے اجتماعی سلوک میں اصول پسندی سکھانا مقصود ہو۔

۲- یہ خیال غیر حقیقت پسندانہ ہے کہ اگر مسلمانوں نے یہ موقف اختیار کیا تو وہ دشمنوں کے لیے لقمۂ تر بن جائیں گے۔کوئی بھی ایٹمی طاقت انہیں ڈرا دھمکا کر ان سے اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کروالے گی، یا بہ صورت دیگر صفحۂ ہستی سے نابود کردے گی۔کیوں کہ آج کی دنیا میں کوئی ایک ملک اتنا طاقت ور نہیں کہ دوسرے ملکوں کو ساتھ لیے بغیر اپنی مرضی چلا سکے۔

۳- یہ خطرہ مبالغہ آمیز ہے کہ مسلمانوں کے یہ موقف اختیار کرنے کے نتیجے میں اندیشہ ہے کہ ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے اور دینِ اسلام کا کوئی نام لیوا نہ رہ جائے، کیوں کہ آج مسلمانوں کی ایک معتدبہ تعداد ان ملکوں میں بھی بستی ہے جو ایٹمی طاقت اور دوسرے تباہ کن اسلحہ سے لیس ہیں۔

۴- اس مسئلہ پر مصالح اور مفاسد، فوائد اور نقصانات کا موازنہ کیا جائے تو فساد عام برپا کرنے والے اسلحہ کے بنانے، رکھنے اور ممکنہ استعمال کے نقصانات کا پلّہ بہت بھاری ہے، اتنا بھاری کہ اس سے متوقع فوائد اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ [۱۷]

تجزیہ ومحاکمہ

اس مسئلے پر دونوں فریقوں کے موقف اور ان کے دلائل پر ایک نظر ڈالنے سے بہ خوبی واضح ہوجاتا ہے کہ مسئلہ بڑا پیچیدہ اور نازک ہے، اس لیے اس کے سلسلے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے قبل اس کے تمام پہلوؤں کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔غور وفکر کے لیے چند نکات پیشِ خدمت ہیں:

۱- اسلام نے انسانی جان کی حفاظت پر غیر معمولی زور دیا ہے۔ اس کا شمار مقاصد شریعت میں کیا گیا ہے۔کسی بے قصور کی جان لینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔ جب کہ

عام تباہی کے اسلحے بڑی تعداد میں بےقصوروں کی جانیں ضائع ہونے کا موجب بنتے ہیں۔

۲- اسلام نے جنگ کے دوران مقاتلین اور غیر مقاتلین کے درمیان فرق کیا ہے۔ان اسلحہ کے استعمال کی صورت میں یہ فرق کسی بھی صورت میں ملحوظ نہیں رکھا جا سکتا۔

۳- دنیا کا دستور ہے کہ طاقت ور دوسروں کی جارحیت سے محفوظ رہتا ہے۔اسی لیے مسلمانوں کو طاقت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔پھر موجودہ صورت حال میں طاقت کا حصول کیوں کر ممکن ہے؟

۴- اسلام مسلمانوں کو اس مقام پر دیکھنا چاہتا ہے کہ ان کے دشمن ان سے خوف زدہ رہیں اوران کے بارے میں کوئی جارحیت کرنے سے قبل ہزار بار سوچیں۔مسلمان اس مقام تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

۵- ایک طرف قرآن وسنت کے وہ نصوص ہیں جن میں برائی کا جواب بھلائی سے دینے اور جارحیت کے جواب میں خود سپردگی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے، دوسری طرف ایسے نصوص بھی ہیں جن میں جارحیت کا اسی انداز سے جواب دینے اور مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

۶- دنیا کے ہر قانون میں اصولی احکام کے ساتھ استثنائی صورتیں بھی ہوتی ہیں۔ زیر بحث مسئلہ میں اسلام کے اصولی موقف کے ساتھ محاصرۂ طائف کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے منجنیق استعمال کرنے کی استثنائی مثال بھی موجود ہے۔

۷- اگر مقاصد شریعت میں شامل چیزوں کے درمیان تعارض ہو رہا ہو تو ان میں سے کسی کو ترجیح دینے کی کیا بنیاد ہوگی؟ زیر بحث مسئلے میں مسلمان طاقت ور رہیں اور اسلام غالب ہو، یہ بھی شریعت کا مقصد ہے اور دنیا کو عام تباہی مچانے والے ہتھیاروں سے محفوظ رکھنا بھی شریعت کا مقصد ہے۔ دونوں میں تعارض کی صورت میں کس کو ترجیح دی جائے؟

مؤتمر العالم الاسلامی کی قرارداد

مارچ ۱۹۸۴ء میں موتمر العالم الاسلامی کے زیر اہتمام کراچی یونی ورسٹی پاکستان

میں ایک بین الاقوامی سمینار منعقد کیا گیا تھا، جس کا موضوع تھا: Nuclear Arms Race and Nuclear Disarmament: The Muslim Perspective۔ اس موقع پر شرکائے سمینار کی جانب سے جو قراردادیں منظور کی گئی تھیں، انہی پر اس گفتگو کو ختم کیا جاتا ہے۔

۱- اسلام کی تعلیمات، جو قرآن وسنت میں بیان کی گئی ہیں، مسلمانوں کو حکم دیتی ہیں کہ وہ غیر مشروط طریقے پر ہلاکت کے وحشیانہ اسلحہ کے کسی بھی طرح کے استعمال کی مخالفت کریں، اس لیے کہ اسلام میں بلا کسی تفریق کے انسانوں کی جانوں اور املاک کی بربادی کی گنجائش نہیں ہے۔

۲- جو ممالک نیوکلیائی اسلحہ رکھتے ہیں ان کی خلاقی ذمہ داری ہے کہ ان سے دست بردار ہو جائیں۔

۳- نیوکلیائی اسلحہ کی تیاری کی تمام صورتیں موقوف کردی جائیں۔ جو اسلحہ تیار شدہ ہوں انھیں بہ تدریج ضائع کر دیا جائے اور موجودہ نیوکلیائی مادوں کو پرامن کاموں میں استعمال کیا جائے۔

۴- یہ بیداری لانے کی بھرپور کوشش کی جائے کہ جو وسائل نیوکلیائی اسلحہ کی تیاری میں صرف ہوتے ہیں انھیں بھکمری، بیماری، جہالت اور غربت، جن سے عالم انسانیت کا بڑا حصہ، خاص طور پر تیسری دنیا کے ممالک دوچار ہیں، ان کو دور کرنے میں صرف کیا جائے۔

۵- افریقہ، مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا میں نیوکلیر فری زون قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔[۱۸]

حواشی ومراجع

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب قتل الصبیان فی الحرب، باب قتل النساء فی الحرب، ۳۰۱۴، ۳۰۱۵، صحیح مسلم، کتاب الجهاد، ۱۷۴۴

۲۔ سنن ابن ماجه، ابواب الجهاد، باب الغارة والبیات وقتل النساء والصبیان، ۲۸۴۲

۳۔ سنن ابوداؤد، کتاب الجهاد، باب فی دعاء المشرکین، ۲۶۱۴، ضعّفه الالبانی

۴؎ مسند احمد، ا/۱۰۰۔ اس موضوع پر اسلامی تعلیمات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق'، ص ۲۱۲-۲۱۶، بہ عنوان جنگ کے آداب، طبع سوم ۲۰۰۷ء، ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

۵؎ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی والحث علیہ، ۱۹۱۷

۶؎ ابوحیان الاندلسی، البحر المحیط، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۳ء، ۴/۵۰۸

۷؎ محمد رشید رضا، تفسیر المنار، دار المنار قاہرہ، ۱۹۴۷ء، ۱۰/ ۵۷

۸؎ ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دار الفکر دمشق، ۱۹۹۲ء، ص ۵۰۶-۵۰۷

۹؎ مولانا سید جلال الدین عمری، غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ص ۲۱۵-۲۱۱

۱۰؎ حوالہ سابق، ص ۲۱۳

۱۱؎ بہ حوالہ سہیل ہاشمی، ص ۳۴۵

۱۲؎ ماہ نامہ ترجمان القرآن لاہور، دسمبر ۱۹۹۸ء، اشارات بہ عنوان 'ایٹمی صلاحیت اور قرضوں کا بوجھ'، ص ۸-۹

۱۳؎ حوالہ سابق، ص ۱۰-۱۱

۱۴؎ سہیل ہاشمی، اتھکس اینڈ ویپن آف ماس ڈسٹرکشن، کیمبرج یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۴ء، ص ۳۲۳-۳۲۴

۱۵؎ سہیل ہاشمی، حوالہ سابق، ص ۳۴۶

۱۶؎ پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقی، مقاصدِ شریعت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص ۲۹۳-۲۹۴

۱۷؎ حوالہ سابق، ص ۲۹۸-۳۰۱ (تلخیص)

۱۸؎ سہیل ہاشمی، حوالہ سابق، ص ۳۴۴

☆☆☆

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کی

چند اردو مطبوعات

	کتاب	مصنف	صفحات	قیمت
۱	معرکۂ اسلام و جاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	۱۳۷	۹۰
۲	مذہب کا اسلامی تصور	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۵۹۱	۱۰۰
۳	مشترکہ خاندانی نظام اور نظریہ اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۰۲	۴۰
۴	وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۹۲	۴۰
۵	آزادیٔ فکر و نظر اور اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۲۸	۴۰
۶	قرآن، اہلِ کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۹۶	۷۰
۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۰۰	۵۰
۸	اہلِ مذاہب کو قرآن کی دعوت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۸۴	۴۵
۹	کفر اور کافر قرآن کی روشنی میں	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۶۰	۲۰
۱۰	جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	۲۲۴	۵۰
۱۱	مسلمانوں کی حقیقی تصویر	مولانا محمد جرجیس کریمی	۱۶۴	۵۵
۱۲	عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۱۳۶	۳۰
۱۳	شیئر بازار میں سرمایہ کاری	ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	۱۵۶	۴۵

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر-۹۳، علی گڑھ-۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵